پروفیسر محمد اکرم

دعوتِ دین کا حکیمانہ اسلوب

دعوت کے دو بنیادی کردار ہیں: ایک داعی اور دوسرا مدعو۔ تاہم دعوت کی کامیابی کا مکمل انحصار داعی کی ذات پر ہے کیونکہ دعوت کے مضامین خواہ کتنے ہی پرکشش کیوں نہ ہوں، اگر داعی کا طریقِ دعوت ڈھنگ کا نہیں ہے اور وہ مخالف کو حالات کے مطابق مختلف اسالیب اختیار کر کے بات سمجھانے کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جو بات ایک پہلو سے سمجھ میں نہیں آتی، وہی بات جب دوسرے انداز سے سامنے آتی ہے تو دل میں اتر جاتی ہے۔ مبلغ کی کامیابی صرف اس بات میں ہے کہ دوست دشمن سبھی پکار اٹھیں کہ اس نے ابلاغ کا حق ادا کر دیا ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں تصریف آیات اسی چیز کا نام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذَالِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيَاتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (الانعام، ۶:۱۰۵)

”اور اسی طرح ہم اپنی دلیلیں مختلف اسالیب سے پیش کرتے ہیں، تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے اور وہ بول اٹھیں کہ تم نے اچھی طرح پڑھ کر سنا دیا اور تاکہ ہم جاننے والوں کے لیے اچھی طرح واضح کر دیں“۔

قرآن مجید کے اولین مخاطب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ ہیں، اس لیے قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے صحابہ کرامؓ کو دعوت کے طریق کار اور اسالیب کی تعلیم دی۔ یہ ایک ایسی انفرادیت ہے جو اسلام کے علاوہ کسی بھی الہامی و غیر الہامی مذہب کو حاصل نہیں کہ اس نے اپنے پیروکاروں کو باقاعدہ دعوت و تبلیغ کے اصول پوری شرح و بسط سے بتائے ہوں۔ سید سلیمان ندویؒ رقمطراز ہیں:

> ”یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو سچائی کے قبول کرنے کی دعوت دینی چاہیے، دنیا میں پہلی دفعہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا۔ وہ مذہب بھی جو الہامی اور تبلیغی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں، یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے صحیفوں نے ان کے لیے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے لیکن صحیفہ محمدی ﷺ نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیروؤں کو یہ بتایا کہ پیغام الٰہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان کو قبولِ حق کی دعوت کس طرح دی جائے“ (سیرت النبی ﷺ، ۴/۹۱)

قرآن مجید نے اپنے مخصوص معجزانہ اسلوب کے مطابق دعوت کے اصول ان الفاظ میں بیان فرمائے ہیں:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (النحل، ۱۶:۱۲۵)	’’(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو‘‘

اس آیت مقدسہ میں دعوتِ دین کے تین بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں: حکمت، موعظہ حسنہ اور مجادلہ بطریقِ احسن۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا مطالعہ داعی اسلام کی حیثیت سے کیا جائے تو یہ بات بڑی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے کہ آپ ﷺ نے دعوت وتبلیغ کے فریضہ کو ادا کرتے وقت ان اصولوں سے سرِمو انحراف نہیں کیا اور آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کے دعوتی کردار میں بھی انہی اصولوں کا غلبہ نظر آتا ہے۔ ایک غیر تربیت یافتہ داعی دعوتِ دین کے لیے کس قدر غیر موزوں ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ فرماتے ہیں:

> ’’ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لیے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرررساں ہوسکتا ہے۔ اگر اس کے پیش کیے ہوئے دلائل بودے اور کمزور ہوں گے، اگر اس کا اندازِ خطابت درشت اور معاندانہ ہوگا، اگر اس کی تبلیغ اخلاص وللّٰہیت کے نور سے محروم ہوگی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کردے گا کیونکہ اسلام کی نشر واشاعت کا انحصار تبلیغ اور فقط تبلیغ پر ہے۔ اس کو قبول کرنے کے لیے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ جبر واکراہ سے کام لیا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایمان، ایمان ہی نہیں جس کے پسِ پردہ کوئی دنیوی لالچ یا خوف وہراس ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب مکرم کو دعوتِ اسلامی کے آداب کی تعلیم دی‘‘۔ (’’ضیاء القرآن‘‘، ۲/۶۱۷)

گویا دعوت کی کامیابی میں مرکزی کردار داعی کا ہے۔ داعی جس قدر تربیت یافتہ اور انسانی نفسیات کا عالم ہوگا، اسی قدر اس کی دعوت مؤثر ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مؤثر ہونے کی ایک اہم وجہ آپ ﷺ کا ذاتی کردار تھا تو دوسری بنیادی وجہ آپ ﷺ کا اسلوبِ دعوت تھا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ مخاطبین کی ذہنی استعداد، میلانات، رجحانات اور ان کے خاندانی وعلاقائی پسِ منظر کو سامنے رکھ کر دعوت کا کام کیا۔ سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا کوئی متعین طریقِ دعوت نہ تھا بلکہ مخاطبینِ دعوت کے تبدیل ہونے کے ساتھ ہی آپ ﷺ کا اسلوبِ دعوت بھی تبدیل ہوجاتا تھا۔ ایک جاہل، ان پڑھ اور اجڈ مخاطب کو دعوت دینے کا انداز پڑھے لکھے اور شہر کے رہنے والے فرد سے مختلف ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوتی زندگی کا مطالعہ ہر داعی اسلام کے لیے اس حوالے سے دلچسپ بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ مخاطب کی صلاحیت کو پیشِ نظر رکھ کر اس کو دعوت پیش کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ سے ملنے کے بعد لوگ مطمئن ہوکر واپس جاتے تھے۔

دعوتِ دین کا یہ وہ اسلوب ہے جو اللہ تعالیٰ نے براہ راست اپنے حبیب مکرم ﷺ کو سکھایا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دعوتِ دین کے ان ہی مختلف اسالیب کی تعلیم دی اور پھر صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایات اور طرزِ

عمل کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا۔ ابو وائلؓ سے روایت ہے:

”عبداللہؓ بن مسعود لوگوں کو ہر جمعرات کو وعظ سنایا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا: اے ابو عبدالرحمٰنؓ! میری خواہش ہے کہ آپؓ روزانہ وعظ کیا کریں، تو انہوں نے فرمایا میں ایسا اس وجہ سے نہیں کرتا کہ کہیں تم پر بوجھ نہ بن جاؤں۔ میں بھی اسی طرح ناغہ کر کے تمہیں نصیحت سناتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ ہم کو وقفہ کر کے نصیحت سنایا کرتے تھے تاکہ ہم بیزار نہ ہو جائیں“۔

اس روایت سے بہرحال یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ دعوت وتبلیغ میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور طرزِ عمل کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ دعوت وتبلیغ میں دعوت کے پیش کرنے کا ڈھنگ اور اسلوب کس قدر اہمیت کا حامل ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بھی کسی داعی کو کسی قوم، قبیلے یا علاقے کی طرف روانہ فرمایا تو وہاں کے لوگوں کے حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کو دعوت کے کسی نہ کسی اسلوب کی بھی تعلیم ارشاد فرمائی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

اصول تدریج کی تلقین

رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ دعوت وتبلیغ میں تدریج کا لحاظ رکھا اور دوسرے مبلغین اسلام کو بھی اصولِ تدریج کی تلقین فرمائی۔ حکمتِ تبلیغ کے ضمن میں داعی کا فرض ہے کہ تدریج کے پہلو کو نظر انداز نہ کرے۔ تدریج کا مطلب یہ ہے کہ داعی یک بارگی شریعت کے تمام احکامات کا بوجھ مخاطب کی گردن پر نہ لاد دے بلکہ آہستہ آہستہ اس کے سامنے سارے احکام پیش کرے۔ تدریج کا یہ اصول فرد اور قوم دونوں کے لیے ضروری ہے۔ دین ایک نظام ہے اور اس نظام کو اگر حکیمانہ ترتیب سے پیش نہ کیا جائے تو مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔ اسی حقیقت کی طرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

”قرآن میں سب سے پہلے جو چیز نازل کی گئی، وہ مفصل کی سورتوں میں سے ایک سورۃ ہے، جس میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کے دائرے میں آ گئے تب حلال وحرام کے احکام نازل ہوئے۔ اگر بالکل شروع ہی میں حکم آ جاتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ حکم دیا جاتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے“ (بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب تالیف القرآن، ح:۴۹۹۳، ص:۸۹۶)

اصول تدریج میں داعی احکام کی ترتیب کیا رکھے گا؟ اس کی وضاحت بھی خود زبانِ رسالت ﷺ نے فرما دی کہ سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت دی جائے، اس کے بعد عبادات۔ عبادات میں بھی اہم پھر اہم کے اصول کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو جب یمن دعوت وتبلیغ کے لیے بھیجا تو ان الفاظ میں تلقین فرمائی:

''تم عنقریب اہلِ کتاب کی ایک قوم کے پاس پہنچو گے۔ جب تو ان کے پاس پہنچے تو سب سے پہلے انہیں یہ دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ اس میں تیری اطاعت کرلیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر دن رات کی پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور جب وہ تیری یہ بات مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ فرض کیا ہے۔ یہ صدقہ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریبوں کو دیا جائے گا اور جب وہ اس کو تسلیم کرلیں تو دیکھو چن چن کر ان کا عمدہ مال نہ لے لینا اور ہاں مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں''

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیٰؓ ومعاذؓ الی الیمن، ح: ۴۳۴۷، ص: ۳۶۷۔

ایضاً ح: ۱۴۹۶، ۱۳۹۵، ۱۴۵۸، ۲۴۷۲۔ مسند احمد، مسند عبداللہ بن عباس، ح: ۲۰۷۲، ۳۸۶/۱)

رفق ونرمی کی تلقین

داعی دعوت کا کوئی بھی اسلوب اختیار کرے، جب تک وہ مخاطب سے نرمی اور خیر خواہی کے جذبہ سے بات نہیں کرے گا، اس کی دعوت مؤثر نہیں ہوگی۔ سختی اور شدت مخاطب کے دل میں نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتی ہے جس سے مخاطب اپنی ضد پر اڑ جاتا ہے۔ نتیجتاً دعوت کا سارا فائدہ اور نصیحت کا سارا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اپنے بدترین مخالفین سے بھی نرم انداز میں گفتگو کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے باغی کے سامنے پیغامِ ربانی لے کر جانے کا حکم دیا تو یہ ہدایت بھی فرمائی:

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اس نے سرکشی کی ہے تو اس سے نرم گفتگو کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے یا (اللہ سے) ڈرے''۔ (طٰہٰ ۲۰: ۴۳، ۴۴)

دعوت وتبلیغ میں رفق ونرمی کی اس سے بہتر مثال نہیں ہوسکتی کہ نہ انبیاء سے بہتر کوئی داعی ہوسکتا ہے اور نہ فرعون سے بڑھ کر کوئی سرکش اور باغی ہوسکتا ہے۔ اگر ایسے مجرم کے سامنے وعظ ونصیحت کرتے وقت نرمی اختیار کرنے کا حکم ہے تو عام مجرم اور گمراہ لوگوں سے تو کہیں بڑھ کر نرمی اختیار کرنی چاہیے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مبلغ صحابہ کرامؓ کو ہمیشہ نرمی اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت طفیلؓ بن عمرو نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی ہی قوم کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا۔ چنانچہ وہ لوگوں کو مسلسل دعوت دیتے رہے لیکن قوم انکار کرتی رہی۔ بالآخر وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ قبیلہ دوس نے مجھے ہرا دیا۔ میں نے ان کو بہت دعوت دی لیکن وہ ایمان نہیں لائے۔ آپ ﷺ ان کے لیے بددعا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے بددعا کرنے کے بجائے قبیلۂ دوس کے لیے یہ دعا فرمائی:

اللّٰهم اهد دوسا، ارجع الى قومك فادعهم وارفق بهم

''اے اللہ دوس کو ہدایت عطا فرما (طفیلؓ بن عمرو سے فرمایا) تم اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ ان کو

دعوت دیتے رہو لیکن ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو"۔

(ابن ہشام، "السیرۃ النبویۃ"، ۴۲۲۱۔ ابنِ اثیر، "اسدالغابہ"، تذکرہ طفیلؓ بن عمرو، ۵۵/۳)

چنانچہ مآخذ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تعلیم کردہ اسلوب کو اختیار کرنے کا نتیجہ انتہائی شاندار نکلا۔ کثیر لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ۷ھ میں جب حضرت طفیلؓ بن عمرو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ قبیلہ دوس کے ستر یا اسی گھرانوں کے لوگ تھے۔ (ابنِ ہشام، قصۃ اسلام الطفیلؓ بن عمرو الدوسی، ۴۲۳/۱۔ اسدالغابہ، تذکرہ طفیلؓ بن عمرو، ۵۵/۳)

رسول اللہ ﷺ نے عمروؓ بن مرہ الجہنی کو اپنے قبیلہ کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجا تو ان کو دعوت وتبلیغ کا یہ اسلوب تعلیم فرمایا:

علیک بالرفق والقول السدید، ولا تکن فظا ولا متکبرا ولا حسودا

"نرمی سے پیش آنا، صحیح اور سچی بات کرنا، سخت کلامی اور بدخلقی سے پیش نہ آنا، تکبر اور حسد نہ کرنا"

(ابن کثیر، "البدایۃ والنھایۃ"، ۳۵۱/۲)

دعوت وتبلیغ میں حسنِ اخلاق اور نرمی کا اسلوب کس قدر مؤثر ہے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو دعوت وتبلیغ کے لیے یمن روانہ فرمایا، حضرت خالدؓ بن ولید نے بعض لوگوں کے ساتھ سختی کی جس کی وجہ سے چھ ماہ مسلسل کوشش کے باوجود بھی لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو واپس بلالیا اور حضرت علیؓ کو بطور مبلغ روانہ فرمایا۔ ابنِ اثیر کا بیان ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن بھیجا اور ان سے قبل آپ ﷺ خالدؓ بن ولید کو یمن دعوت وتبلیغ کے لیے بھیج چکے تھے لیکن ان لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ لہذا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو روانہ کرتے وقت نصیحت کی کہ وہ خالدؓ اور ان کے اصحاب کی وجہ سے (اہلِ یمن کے ساتھ) ہونے والی بدسلوکی اور نقصان کا تاوان ادا کریں (ان لوگوں سے نرمی کریں) چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا تو قبیلہ ہمدان سارے کا سارا ایک ہی دن میں مسلمان ہوگیا"۔ (الکامل فی التاریخ، ۲۰۵/۲)

وہ لوگ جو چھ ماہ سے قبولِ اسلام سے انکاری تھے، جب ان کے ساتھ نرمی کا اسلوب اختیار کیا گیا تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ ان چند روایات سے نرمی کے اسلوب کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ترغیب وترہیب کی تلقین

حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ بنی حارث بن کعب کے وفد کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عمروؓ بن حزم الانصاری کو ان کا والی مقرر کیا تاکہ ان سے زکوٰۃ وصدقات کی وصولی کے ساتھ ساتھ ان کو اسلامی تعلیمات سے بھی روشناس کرائیں۔ آپ ﷺ نے عمروؓ بن حزم کو بنی حارث کی طرف ایک طویل مکتوب دے کر روانہ فرمایا جس میں

ان کو اسلامی احکام کی تبلیغ کا حکم فرمایا اور اس کے ساتھ ان کو دعوت میں ترغیب وترہیب کا انداز اختیار کرنے کا بھی حکم دیا:

ویبشر الناس بالجنة وبعملها، وینذر الناس النار وعملها ویستألف الناس حتی یفقهوا فی الدین

(ابنِ ہشام، اسلام بنی الحارث بن کعب ۲۵۰/۴۔ تاریخ الامم والملوک، ۱۵۷/۳ (واقعات ۱۰ھ) ابنِ ہشام، اسلام بنی الحارث بن کعب، ۲۴۹/۴)

''لوگوں کو جنت کی بشارت دیں اور اس کے اعمال سے آگاہ کریں، دوزخ سے ڈرائیں اور اس کے اعمال سے متنبہ کریں۔ لوگوں کے ساتھ نہایت اخلاق سے پیش آئیں تاکہ وہ ارکانِ دین کو اچھی طرح سمجھ لیں''

حضرت خالدؓ بن ولید نے، جن کو بنی حارث کی طرف تبلیغی مہم پر بھیجا گیا تھا، بذریعہ خط اپنی کامیابی کی اطلاع بھیجی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو مزید تبلیغ جاری رکھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ تلقین بھی فرمائی:

فبشّرهم وانذر هم

(ابنِ ہشام، اسلام بنی الحارث بن کعب، ۲۴۹/۴)

''تم ان کو جنت کی خوشخبری دو اور ان کو دوزخ سے ڈراؤ''

موقع ومحل کا لحاظ رکھنے کی تلقین

ہر داعی اسلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ دیکھے کہ کیا دعوت وتبلیغ کے لیے یہ وقت اور موقع مناسب ہے کیونکہ اگر مخاطب اعتراض اور نکتہ چینی کی طرف مائل ہو تو جذبے کی سچائی اور اندرونی لگن کے باوجود داعی کی دعوت غیر مؤثر ہوگی۔ اس وقت مناسب یہ ہوگا کہ داعی بحث کو بڑھانے کے بجائے وہیں ختم کرکے وہاں سے ہٹ جائے اور کسی مناسب موقع کا انتظار کرے۔ جب کسی دوسرے موقع پر مخاطب کا ذہن نکتہ چینی کی طرف مائل نہ ہو تو پھر اس کے سامنے حق کو پیش کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ (الانعام، ۶۸:۶)

''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں نکتہ چینی کر رہے ہیں تو ان سے اعراض کرو یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں''

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے موقع بے موقع دعوت وتبلیغ جیسے نازک کام سے منع کیا ہے جب مخاطب کسی کاروبار یا ایسی دلچسپی میں منہمک ہو جس کو چھوڑ کر دعوتِ حق کی طرف متوجہ ہونا اس کی طبیعت پر گراں گزرے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں مخاطب داعی کی بات کو کبھی بھی دل کی گہرائیوں اور حقیقی جذبے سے نہیں سنے گا جو دعوت کی کامیابی کا سب سے لازمی عنصر ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تلقین فرمائی کہ وہ دعوت وتبلیغ کے جوش میں ہر مجلس میں نہ گھس جایا کریں بلکہ پہلے حالات کا جائزہ لیں۔ اگر دعوت کے لیے ماحول سازگار ہو تو دعوت دیں ورنہ مناسب وقت کا انتظار کریں۔

آسانی اور سہولت کی تلقین

دین کی جائز آسانی اور سہولت کو پیشِ نظر رکھنا، دین کو درشت اور مشکل نہ بنانا اس کی قبولیت کا اہم ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے عام مسلمانوں کے لیے ہمیشہ آسانی اور سہولت کے پہلو کو پیش نظر رکھا۔ حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل کے متعلق ارشاد فرماتی ہیں:

ما خیر رسول اللّٰہ ﷺ بین امرین الا أخذ ایسرھما مالم یکن اثما، فان کان اثما کان ابعد الناس منہ، وما انتقم رسول اللّٰہ ﷺ لنفسہ الا ان تنتھک حرمۃ اللہ فینتقم للہ بھا

(الموطأ، کتاب حسن الخلق، باب ماجاء فی حسن الخلق، ح:۶۹۰، ص: ۵۵۵۔ صحیح مسلم، ح:۶۰۴۵۔ صحیح البخاری، ح:۶۱۲۶)

''رسول اللہ ﷺ کو کبھی دو امور میں اختیار نہیں دیا گیا مگر یہ کہ آپ ﷺ نے ان میں سے آسان کو اختیار کیا بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہو۔ اگر گناہ ہوتو اس سے تمام انسانوں سے زیادہ دور ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا مگر جبکہ اللہ کی حرمت مجروح ہوتو پھر آپ ﷺ اللہ کے لیے انتقام لیتے''

انسان طبعاً سہولت پسند ہے اس لیے داعی کا فرض ہے کہ وہ دین کو مشکلات کا مجموعہ نہ بنائے بلکہ جہاں تک ممکن ہو، دینی زندگی کو لوگوں کے لیے آسان بنا کر پیش کرے۔ دینی معاملات میں تشدد پسندی اور سختی سے حتی الوسع پرہیز کرے اور اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو جو حل سب سے آسان ہو، اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل سے اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

> ''ایک دیہاتی مسجد میں آیا، اس نے دو رکعتیں ادا کیں پھر کہنے لگا: اے اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور پر نہ فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے توجہ فرمائی اور فرمایا: تو نے وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔ پھر اس نے جلدی سے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اس کی طرف (مارنے کی خاطر) دوڑے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں آسانی کرنے والا بنایا گیا ہے، مشکل پسند نہیں۔ اس پر پانی کا ایک ڈول بہا دو'
>
> (صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب یصیب الماء علی البول فی المسجد، ح:۲۲۰، ص:۴۱۔ ایضاً، کتاب الادب، باب قول النبی ﷺ یسروا ولا تعسروا، ح:۶۱۲۸، ص:۱۰۶۸۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل البول وغیرہ :۶۶۱، ص:۱۳۳۔ جامع الترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی البول یصیب الارض، ح:۱۴۷، ص:۴۱۔ سننِ ابی داوٗد، کتاب الطہارۃ، باب الارض یصیب البول، ح:۳۸۰، ص:۶۶۔ سننِ نسائی، کتاب الطہارۃ، باب ترک التوقیت فی الماء، ح:۵۶، ص:۷)

جہالت یا عدم واقفیت ایک مرض ہے۔ اسے ایک قسم کی معذوری سمجھ کر ازالے کی کوشش کرنا ہی انسانیت کی

خدمت ہے لیکن اس سے اظہارِ نفرت وانتقام گویا اس کی اصلاح کے تمام راستے بند کرنے والی بات ہے۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

عن انس ؓ قال رسول الله ﷺ: خير دينكم ايسره، وخير العبادة الفقه (ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، باب تفضیل العلم علی العبادۃ، ۲۱/۱)

''حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا دین آسان ہے اور اچھی عبادت دینی بصیرت حاصل کرنا ہے''

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو یمن میں دعوتی مہم پر روانہ فرمایا تو ان کو اسی اسلوبِ دعوت کی تلقین ان الفاظ میں فرمائی:

يسّرا ولا تعسّرا، وبشّرا ولا تنفّرا (ابن ہشام، وصیۃ الرسول معاذا حین بعثہ الی الیمن، ۲۴۶/۴)

''دین کو آسان بنا کر پیش کرنا سخت بنا کر پیش نہ کرنا، لوگوں کو خوشخبری سنانا نفرت نہ دلانا''

صحابہ کرامؓ نے اگر کبھی دینی معاملات میں اعتدال سے ہٹ کر تشدد کی راہ اپنائی تو آپ ﷺ نے انتہائی سختی سے منع فرمایا۔حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت معاذؓ بن جبل نے ایک مرتبہ انصار کو نمازِ مغرب پڑھائی اور قرأت کو خوب طول دیا۔حضرت حازم انصاریؓ نہ ٹھہر سکے اور اپنی علیحدہ نماز پڑھ کر چل دیے۔حضرت معاذؓ بن جبل ان سے سخت ناراض ہوئے۔حضرت حازمؓ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ معاذؓ ہمیں بہت طویل نماز پڑھاتے ہیں جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا:

يا معاذؓ! أفتّان أنت ؟ أفتّان أنت؟ اقرأ بكذا، اقرأ بكذا (سننِ ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تخفیف الصلوٰۃ، ح: ۷۹۰، ص: ۱۲۳۔ اسد الغابہ، تذکرہ حازمؓ انصاری، ۳۶۰/۱)

''اے معاذؓ! کیا تم فتنہ میں ڈالنے والے ہو؟ اے معاذ لوگوں پر تخفیف کرو''

رسول اللہ ﷺ نے ثقیف پر حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو امیر مقرر کر کے روانہ فرمایا۔وہ خود فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھ سے جو آخری عہد لیا، وہ یہ تھا:

يا عثمانؓ! تجاوز في الصلوٰة، واقدر الناس باضعفهم، فان فيهم الكبير والصغير والضعيف وذا الحاجة (ابن ہشام، امر وفد ثقیف واسلامھا، ۱۹۵/۴۔ اسد الغابہ، تذکرہ عثمانؓ بن ابی العاص، ۳۷۲/۳)

''اے عثمانؓ! نماز ہلکی رکھنا اور لوگوں میں ان کے سب سے زیادہ ضعیف آدمی کو معیار بنانا، کیونکہ (نماز پڑھنے والے) لوگوں میں بڑے بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے بھی، ضعیف بھی ہوتے ہیں اور صاحبِ ضرورت بھی''

شاہانِ حمیر نے قاصد کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع بھیجی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف چند صحابہ کو محاصل جمع کرنے اور دعوت وتبلیغ کے لیے روانہ فرمایا، ان لوگوں میں حضرت معاذؓ بن جبل بھی تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روانگی کے وقت ان سے عہد لیا اور سہولت اور آسانی کا اسلوب اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

یسّر ولا تعسّر، وبشّر ولا تنفّر، وانک ستقدم علی قوم من اهل الکتاب، یسئلونک مامفتاح الجنة؟فقل شهادة ان لا اله الا اللّٰه وحده لا شریک له

(ابنِ ہشام، وصیۃ الرسول ﷺ معاذاحین بعثہ الی الیمن،۲۴۶/۴)

”آسانی پیدا کرنا، دشواری پیدا نہ کرنا، خوش رکھنے والی باتیں کرنا، نفرت دلانے والی باتیں نہ کرنا، تم اہلِ کتاب کے کچھ لوگوں کے پاس جار ہے ہو، وہ تم سے پوچھیں گے جنت کی کنجی کیا ہے؟ تو تم کہنا: اس بات کی گواہی دینا کہ خدائے واحد کے سوا اور کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے“۔

حضرت ابومسعود انصاریؓ سے مروی ہے:

”ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں تو فلاں شخص کی وجہ سے فجر کی نماز سے پیچھے رہ جاتا ہوں (باجماعت ادانہیں کرسکتا)، کیونکہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے“۔

راوی کا بیان ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو وعظ کے دوران کبھی اس قدر غصے میں نہیں دیکھا جتنا اس دن ہوئے۔ پھر فرمایا:

یا ایها الناس! ان منکم منفرین، فایکم ما صلی بالناس فلیوجز، فان فیهم الکبیر والضعیف وذا الحاجة

(صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب ہل یقضی القاضی او یفتی وہو غضبان؟ ح:۷۱۵۹، ص:۱۲۳۲۔ ایضاً، کتاب الاذان، باب تخفیف الامام فی القیام، ح:۷۰۲، ۷۰۴، ۹۰، ۶۱۱۰)

”اے لوگو! تم میں کچھ لوگ نفرت پھیلانے والے ہیں، جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے وہ مختصر (قرأت وغیرہ) کرے، ان میں بوڑھے، کمزور اور کام والے بھی ہوتے ہیں“۔

مخاطب کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھنے کی تلقین

دعوت وتبلیغ میں حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ داعی مخاطب کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی دعوت پیش کرے۔ اگر داعی عام مخاطب کی ذہنی استعداد کو نظر انداز کرتے ہوئے منطقی استدلال اور فلسفیانہ بحثیں شروع کردے یا کسی

صاحبِ علم اور دانشور شخص کو دعوت دیتے وقت گفتگو کا غیر علمی اور غیر عقلی اسلوب اختیار کرے، تو اس صورت میں دعوت کے مؤثر ہونے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ اس لیے داعی کا فرض ہے کہ وہ مخاطب کی ذہنی استعداد اور نفسی کیفیات کا لحاظ کرتے ہوئے دعوت کا فریضہ ادا کرے۔ داعی درحقیقت ایک بے مثال استاد اور مربی کی طرح ہے جو سامع کا نفسیاتی جائزہ لیتے ہوئے اس کے ذہنی پس منظر، اس کی استعداد اور اس کے مزاج کو سامنے رکھ کر بات کرتا ہے۔ وہ ایک بدوی اور شہری، پڑھے لکھے اور ان پڑھ، اور عقل و تجربہ کے مختلف مدارج رکھنے والے انسانوں سے مختلف طریقوں اور اسالیب سے گفتگو کرتا ہے۔ خود داعی اعظم ﷺ نے ہمیشہ مخاطب کے ذہنی معیار کی رعایت فرمائی۔ اسی لیے ہر شخص آپ ﷺ سے مطمئن ہوتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ مخاطب کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے عمدہ مثالوں اور روزمرہ کے مشاہدات سے اس انداز میں استدلال فرماتے کہ بات سامع کے دل و دماغ میں اترتی چلی جاتی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

> ''ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری بیوی نے سیاہ بچے کو جنم دیا ہے اور میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے رنگ کیا ہیں؟ اس نے کہا: سرخ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ان میں سے کوئی سیاہی مائل بھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں سیاہی مائل بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کہاں سے آ گیا؟ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! شاید ان کی کہیں اصل نسب میں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید یہ بھی کہیں اصل نسب میں ہوگا''۔
>
> (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب اذا عرض بنفی الولد، ح:۵۳۰۵، ص:۹۴۸۔ ایضاً، کتاب الحدود، باب ماجاء فی التعریض، ح:۶۸۴۷، ص:۱۱۸۰۔ ایضاً، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب من شبہ اصلاً معلوماً ح:۷۳۱۴، ص:۱۲۵۹۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، ح:۳۷۶۸، ص:۶۵۲)

چنانچہ وہ بدو بالکل مطمئن ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بھی یہی تلقین فرمائی کہ وہ لوگوں کی عقل اور ذہنی استعداد کے مطابق دعوت دیں۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں:

> **أمرنا ان نكلّم الناس على قدر عقولهم**
>
> ''آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگوں کی ذہنی استعداد کے مطابق بات کریں''
>
> (منتخب کنز العمال، کتاب الاخلاق، باب فی الاخلاق المحمودۃ، ح:۸۵۰۳، ۴/۷۰)

مخاطب کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھنے کی تلقین

داعی کا فرض ہے کہ وہ ممکن حد تک مخاطب کے معاشرتی و سیاسی مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھے۔ کیونکہ ایسے لوگ عزت افزائی کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں۔ اگر داعی ان کے مقام و مرتبہ کو نظر انداز کرے گا تو ممکن ہے کہ شیطان اسے گمراہ کر دے اور اسے حق بات سننے سے روک دے۔ اس لیے داعیِ حق کو چاہئے کہ وہ ایک خاص حد تک ان کی اس کمزوری

کا لحاظ رکھے تا کہ قبولِ حق میں ان کے اپنے نفس کی مزاحمتوں کے سوا داعی کی طرف سے کوئی جدید مانع پیدا نہ ہو جائے۔

خود رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل تھا کہ آپ ﷺ وفودِ عرب، جو عام طور پر قبائلی رؤسا اور سرداروں پر مشتمل ہوتے تھے، کی پیشوائی فرماتے، ان کے احترام کے لیے کھڑے ہوتے اور ان کی عزت افزائی فرماتے، چنانچہ کئی وفود جو محض معاہدہ صلح کے لیے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تھے، آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق اور عزت افزائی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسلام قبول کر لیا۔ مثلاً وفدِ اشجع معاہدہ صلح وامن کے لیے آیا تھا لیکن آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ (ابن سعد، ''الطبقات الکبریٰ''، وفدِ اشجع، ۳۰۶/۱) اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی بھی اسی نہج پر تربیت فرمائی اور ان کو حکم دیا کہ وہ لوگوں سے ان کے مقام ومرتبہ کے مطابق سلوک کریں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

انزلوا الناس منازلھم ''لوگوں سے ان کی قدر ومنزلت کے مطابق پیش آؤ''۔

(سننِ ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی تنزیل الناس منازلھم ح: ۴۸۴۲، ص: ۶۸۴)

مخاطب کے مقام ومرتبہ کا لحاظ رکھنے اور دعوت کو نرم انداز میں پیش کرنے کا جو حکم ہے اس کا جواز فقط اسی حد تک ہے جہاں تک حق کے وقار کو ٹھیس نہ پہنچے، اگر اس اسلوب کو اختیار کرنے سے دعوتِ حق کا وقار مجروح ہونے کا اندیشہ ہو تو داعی کو ایسے تمام طریقوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اعجاز واختصار کی تلقین

داعی کے لیے اس امر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ دعوت کی فضول تکرار اور بے فائدہ طولِ بیان کہیں لوگوں کو دعوت کے مضامین ہی سے متنفر نہ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ کے خطبے نہایت مختصر ہوا کرتے تھے اور بعض روایات میں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے اختصار کو خطیب کی دانش مندی کی علامت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

ان من البیان سحرًا ''بعض خطبے جادو ہوتے ہیں''

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی الشعر، ح: ۵۰۱۱، ص: ۷۰۵)

اس حدیث میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر داعی کا خطبہ مختصر، جامع اور بلیغ ہوگا تو وہ جادو کی طرح اثر کرے گا۔ جبکہ طویل خطبہ نہ صرف سامع کی طبیعت کو کند کر دے گا بلکہ دعوت کو قبول کرنے کی حس اور صلاحیت کو بھی ختم کر دے گا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے دعوت وتبلیغ میں ہمیشہ اختصار سے کام لیا نیز آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی بھی اسی نہج پر تربیت فرمائی۔ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں:

أمرنا رسول اللّٰہ باقصار الخطب ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ میں اختصار کا حکم فرمایا ہے''

(سننِ ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب اقصار

الخطب، ح:۱۱۰۶،ص:۱۶۶)

حضرت عمار بن یاسرؓ نے ایک دفعہ خطبہ دیا تو آپؓ نے اپنے خطبہ میں اختصار سے کام لیا۔ قبیلۂ قریش کے ایک شخص نے کہا اگر آپؓ کچھ مزید فرماتے تو بہتر تھا، آپؓ نے جواب دیا:

ان رسول اللّٰہ ﷺ نھی ان نطیل الخطبۃ (المسند، حدیث عمار بن یاسرؓ ح:۱۸۴۱۰، ۴۱۹/۵)	''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں طویل خطبے سے منع فرمایا ہے''

جبر واکراہ سے اجتناب کی تلقین

اسلام کو جملہ الہامی وغیر الہامی مذاہب میں اس لحاظ سے انفرادیت حاصل ہے کہ اس نے اپنی ترویج واشاعت کے باقاعدہ اصول بیان کیے ہیں اور کھل کر اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ دین ایسی چیز نہیں جس کو زبردستی کسی پر ٹھونسا جائے کیونکہ دین اسلام کا اولین جزو ایمان ہے اور ایمان نام ہے یقین کا۔ دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی زبردستی پیدا نہیں کرسکتی۔ اس لیے قرآن کا واضح حکم ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ،۲:۲۵۶)	''دین میں زبردستی نہیں ہے، تحقیق ہدایت گمراہی سے الگ ہوچکی ہے''۔

دعوتِ دین کا یہ وہ اسلوب ہے جس کو نہ صرف رسول اللہ ﷺ نے خود اختیار فرمایا بلکہ صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تلقین فرمائی چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب عمروؓ بن حزم کو بنو حارث بن کعب کی طرف دعوت وتبلیغ اور صدقات کی وصولی کے لیے روانہ فرمایا تو ان کو ایک تحریر لکھ کر دی جس میں یہ ہدایت واضح طور پر درج تھی:

.........وأنہ من اسلم من یہودی اونصرانی اسلاما خالصا من نفسه، ودان بدین الاسلام، فانه من المومنین، لہ مثل ما لھم، وعلیه مثل ما علیھم، ومن کان علی نصرانیته أویھودیته فانه لایردعنھا (ابن ہشام، اسلام بنی الحارث بن کعب،۴/۲۵۱)	''.........اور جو یہودی یا نصرانی اپنی طرف سے مخلصانہ اسلام لے آئے اور دین اسلام کو اپنا دین بنالے، وہ مومنوں میں شمار ہوگا، اس کے وہی حقوق ہوں گے جو مومنوں پر ہوں گے اور جو اپنی یہودیت یا نصرانیت پر قائم رہے گا اسے اس یہودیت یا نصرایت سے پھیرا نہ جائے گا''

خلاصۂ بحث

مخاطبینِ دعوت دو چیزوں سے فوری طور پر متاثر ہوتے ہیں: ایک داعی کا ذاتی کردار اور دوسرا اس کا بات کرنے

کا انداز کہ وہ کس انداز میں اپنی دعوت کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس لیے ایک داعی کا صرف یہی فرض نہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے حق کو بیان کر دے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہ مضامین دعوت کو لوگوں کے سامنے اس طریقے سے پیش کرے اور بات اس پیرائے میں کرے کہ ان پر حق پوری طرح آشکارا ہو جائے اور بات ہر خاص و عام کی سمجھ میں آ جائے اور جن لوگوں کے دلوں میں قبولِ حق کی کچھ بھی صلاحیت اور تڑپ ہے، وہ اس کو قبول کر لیں۔ اس مقصد کے حصول کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ دعوت کی زبان انتہائی مؤثر، داعی کا طرزِ کلام فطری اور اس کا اسلوب دل نشین ہو۔

ایک داعی کا کام یہ نہیں کہ وہ ایک مؤرخ کی طرح واقعات کو بیان کر دے بلکہ اس کا کردار ایک صحافی، فلسفی اور مقنن سے بالکل مختلف ہے۔ ایک طرف تو اس کا موضوع اتنا وسیع ہے کہ زندگی کے تمام معاملات اس کے تحت آ جاتے ہیں اور دوسری طرف اس کے مخاطبین میں مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے اور ان کی ذہنی استعداد بھی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ اس لیے داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مخاطب کی صلاحیتوں کے اس اختلاف کو پیشِ نظر رکھ کر بات کرے، اور مخاطبین کے مذاق اور رجحانِ طبع کا لحاظ کرتے ہوئے دعوت کے مختلف اسالیب اختیار کرے اور اس کی طرف مختلف سمتوں سے آئے کہ نہ صرف اس پر حق واضح ہو جائے بلکہ اس پر اتمامِ حجت بھی ہو جائے۔ اگر داعی دعوت کا ایک ہی متعین اسلوب اختیار کرے گا تو اس کی ناکامی نوشتۂ دیوار ہے۔ کیونکہ اس کی یہ یک رنگی اس فطرت کے بالکل خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر فرد میں طبیعتوں اور صلاحیتوں کے اختلاف کے ساتھ رکھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی دعوتی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دعوتِ دین کا کوئی متعین اسلوب اختیار نہیں کیا بلکہ مخاطب کے حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے جو مناسب جانا، اس اسلوب اور انداز کو اختیار کیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اسلوبِ دعوت کی جو تلقین کی، اس میں بھی جو تنوع ہے، وہ مخاطبین دعوت کے اعتبار ہی سے ہے۔

داعی کا کام مدعو کے ذہن کو بالکل تبدیل کر کے رکھ دینا ہے، اس لیے یہ کام اس قدر آسان نہیں۔ اس کے لیے داعی کا صاحبِ علم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم ہونا بھی ضروری ہے۔، دعوتِ حق میں حکیمانہ اندازِ تخاطب کامیابی کی ضمانت بن سکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکمت کے سارے اصول پیغمبرِ اسلام ﷺ کو سکھائے اور آپ ﷺ نے اپنی دعوتی زندگی میں ان اسالیب کو اختیار کر کے ایک مثال قائم کی اور پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی بھی اسی نہج پر تربیت فرمائی۔ دعوت کے اصول اور اسلوب کو اتنی وضاحت کے ساتھ بیان کر دینا امتِ محمد ﷺ کی ایسی خصوصیت ہے جس میں دنیا کا کوئی مذہب، چاہے وہ الہامی ہو یا غیر الہامی، اسلام کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ قرآن نے خود دعوت کے اصول اور اسلوب کو بیان کیا اور پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اس پر عمل کر کے ایک عملی مثال قائم فرمائی اور پھر آپ ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو بھی ان کی تلقین اور ہدایت فرمائی جیسا کہ گزشتہ سطور میں اس کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔